© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں نبی علیہ السلام کی زندگی کی سادگی اورتقویٰ ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے۔ بلکہ اگر ہم نبی علیہ السلام کی زندگی اور اپنی اور علماء کی رنگینیوں کا محاسبہ کریں تو ہمیں بعد المشرقین نظر آئے گا۔ اس سلسلہ میں امانت وصداقت وہ صفات ہیں جو آج عنقا ہورہی ہیں۔ دنیا دار اور مادہ پرست لوگوں کی زندگیوں میں تو یہ عنقا تھا ہی اب علماء بھی ان صفات سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہماری تقاریر اور خطابات بے اثر ہورہے ہیں عوام الناس اور خاص کر علماء کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

دوسری اہم بات جس کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ قرآن وحدیث کی تعلیم کا اہتمام جہاں تک مدارس جامعات دینیہ کا تعلق ہے علماء کسی نہ کسی حد تک یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مگر محلوں کی مساجد کی اور دیگر اداروں یا دیہات میں عوامی سطح پہ کام کا تعلق ہے۔ یہ تقریباً مفقود ہوتا جارہا ہے۔ علماء مختلف جلسوں، کانفرنسوں میں موجود ہوں تو یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ مگر مساجد اور دیگر اداروں میں پہنچ کر باقاعدہ قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کے اسباق شروع کرنے میں بہت سستی کی جارہی ہے۔ آخر علماء مساجد میں پانچ وقت نماز تو ادا کرتے ہیں تو پھر وہاں تعلیم وتربیت اور ترجمہ وتفسیر کی کلاس کیوں شروع نہیں کرتے۔

محترم علماء کرام اگر آپ باقاعدہ کسی نہ کسی مسجد ادارے یا محلے میں قرآن وحدیث کی کلاسیں شروع نہیں کررہے تو آپ اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔ کیا ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ پانچ گھنٹے پڑھالیا اور بس۔ اور ہم جس ہستی کی جانشینی کا دعویٰ کرتے ہیں کیا وہ بھی صرف پانچ گھنٹے پڑھا کر اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوجاتے تھے یا پھر ہم صرف اس مسجد میں درس دینے جاتے ہیں جہاں کی انتظامیہ ہمیں باقاعدہ بلائے کہ جناب حضرت صاحب فلاں تاریخ کو آپ کا درس ہے۔ کیا نبی علیہ السلام کی تبلیغ وتعلیم اور تربیت کا انداز یہی تھا یا آپ بنات خود بغیر بلائے مختلف مقامات پہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں۔ اور ان ان مقامات پر بھی جاتے تھے جہاں آپ کے ساتھ انتہائی برا سلوک بھی ہوتا تھا ہم تو حکمت ودانائی کی آڑ میں رش اور بھیڑ کے مقامات پر تبلیغ نہیں کرتے کہ یہاں لوگ خرید وفروخت یا دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ ہماری کون سنے گا۔ ویسے بھی شرم آتی ہے اور ہمیں اچھا بھی نہیں لگتا۔ جبکہ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی علیہ السلام میلوں، سڑکوں، منڈیوں، بازاروں اور گلیوں میں بھی تبلیغ کرتے تھے۔ مگر آپ ﷺ انتہائی وضع دار اور شرمیلے ہونے کے باوجود بھی یہ سب کچھ کرتے تھے۔

دوسری اہم بات، جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ موقع ومحل کے مطابق گفتگو کرنا ہے۔ شادی کے موقعہ پر نبی علیہ السلام بچیوں کے اشعار سن کر انکی اصلاح فرماتے ہیں۔ اور جنازہ میں اپنے آنسوؤں کے گرنے کی وجہ رحمت قرار دیتے ہیں۔ لوگوں کی محافل میں موقع کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے اور علماء کو سوچنا چاہئے کہ جس مجمع میں بات کرنے جارہا ہوں وہ مجھ سے کیا سننا چاہتے ہیں اور مجھے کیا سنانا چاہئے۔

میں دبئی میں ایک دفعہ حبیب بینک گیا وہاں ایک موصوف صاحب فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر زوردار مدلل انداز میں گفتگو فرمارہے تھے۔ ان کا موقف سو فیصد درست تھا جس سے وہ بحث کررہے تھے وہ بھی یہی بحث کررہا تھا مگر بینک میں موجود دوسرے احباب ہنس رہے تھے۔ مولانا کو چاہئے تھا کہ ان کو مسجد میں لیجاتے یا اپنے یا اسکے گھر میں چلے جاتے یہ ایک معمول کا واقعہ ہے مگر اس سے بعض علماء کی کوتاہ اندیشی واضح ہوتی ہے۔

اس مقام پہ علماء سے ایک درخواست کرنی ہے کہ بعض اصلاحات مدارس کتب دینیہ میں بکثرت استعمال ہوتی ہیں جبکہ عوام الناس کو انکا بالکل علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان اصطلاحات کو سہل الفاظ میں بیان کرنے سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ مشکل اور ثقیل الفاظ سے ہمارے علم اور وسعت مطالعہ کا تو چرچا ہوسکتا ہے بلکہ ہماری دھاک بیٹھ سکتی ہے مگر یاد رہے یہ اثر پذیری سے خالی ہوگی۔ صحیح بخاری کا سبق جس میں صرف آخری کلاس کے طلباء ہوں چلو وہاں تو معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، مرجئہ کا تذکرہ فائدہ مند ہوگا یا لفظ قسطاس کی لغوی تشریح یا وزن اعمال کی علمی تشریح طلباء کیلئے تو بیان ہونی چاہئے مگر جب اختتام صحیح بخاری کا عوامی پروگرام ہو اس میں علم کلام اور لغوی تشریح بھلا کس کام کی؟

اسی طرح خالص علمی موضوعات پہ خطبات جمعہ دینا اس سے صرف اور صرف عوام الناس کے ذہن پریشان ہوسکتے ہیں وہ ان مسائل کو سمجھ نہیں سکتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتب سیرت

تاریخ و حکمت کے آئینہ میں

قسط 2

مترجمہ و تفہیم: مولانا محمد ادریس سلفی
مدرس جامعہ سلفیہ

دوسرا گروہ:

ان میں عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م/۱۳۵) ہیں ان کے دادا حضرت عمرو بن حزم کو آپ ﷺ نے اہل یمن کو تعلیم دینے کیلئے بھیجا تھا۔ ابن اسحٰق الحق، واقدی، ابن سعد اور طبری نے اکثر اخبار انہیں سے نقل کی ہیں۔

۲۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (م/۱۲۰) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور حکومت میں انہیں جامع مسجد دمشق میں مغازی اور مناقب صحابہ بیان کرنے کیلئے مقرر فرما رکھا تھا۔

۳۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری القرشی (م/۱۲۴)

حجاز و شام کے جید علماء سے ہیں ابن سعد نے مغازی و سیر اکثر انہیں سے نقل کئے ہیں۔

تیسرا گروہ:

اس طبقہ میں موسیٰ بن عقبہ (م/۱۴۱) جن کو آل زبیر بن عوام کے مولی ہونے کی بنا پر علم سے خاص ربط رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: علیکم بمغازی موسی بن عقبہ فانہ ثقۃ۔ تذکرہ ۱/۱۴۸)

۲۔ محمد بن اسحاق بن بن یسار (م/۱۵۳)

ان کے دادا عراق سے قیدی ہوکر مدینہ منورہ آئے۔ محمد بن اسحاق نے یہیں پرورش پائی اور قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ ابان بن عثمان، نافع، زھری، رحمہم اللہ تعالی جیسے علماء سے کسب علم کیا۔ اہل کتاب سے ''اہل العلم الاول'' کے نام سے بہت سی باتیں نقل کی ہیں۔ مدینہ منورہ اور عراق میں ان پر تشیع اور قدری ہونے کی تہمت لگی جب حکومت عباسیہ قائم ہوئی تو آپ عراق میں منصور کے پاس چلے گئے اور شاید یہی ان کی مشہور تالیف کا سبب بنا (تذکرہ ۱/۱۷۲)

۳۔ محمد بن عمر الواقدی (م/۲۰۷)

مغازی کے علم میں ابن اسحاق کے بعد یہی بڑے عالم تھے۔ وقائع نگاری میں آپ کا خصوصی وصف یہ تھا کہ سماعت پر اکتفا کی بجائے مقام واقعہ پر جا کر احوال نوٹ کرتے۔ بہت سی کتب کے مولف ہیں مگر صرف المغازی محفوظ رہ سکی۔ تاریخ طبری اکثر در دہ مدار واقدی پر ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ اہل علم واقدی سے احادیث نہ لینے پر متفق ہیں اس لئے میں نے بھی ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ احادیث میں پختگی پیدا نہ کر سکے۔ البتہ مغازی و سیر میں سبقت حاصل ہے۔ (تذکرہ ۱/ ۳۴۸)

ان تینوں طبقات کے علماء سوائے امام زہری اہل مدینہ ہیں۔ ان سیرت نگاروں کی نگاہ میں سیرت سنت کا حصہ ہے۔ اور یہ اہل الحدیث سے متاثر ہونے کی بناء پر ماسوائے بعض سب اخبار بمع سند ذکر کرتے ہیں۔

اور ابن اسحٰق کے علاوہ کسی نے دور جاہلیت اور اہل کتاب کی اخبار جمع نہیں کی۔

مقام افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر نقول تاریخ کی نذر ہو چکی ہیں۔ یا کچھ طبری، بلاذری جیسی تواریخ میں نقل ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ عالمی قزاقوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لائبریریوں میں کہیں موجود ہوں۔ جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی و تاریخ پر مشتمل مخطوط ۱۹۰۴ء میں برلن سے حاصل کر کے طبع ہوئی ہے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ابن عقبہ اپنے استاذ امام زہری سے متاثر ہو کر اخبار با سند میں نقل کرتے ہیں:

''مدرسہ المدینہ'' کے بعد اہل عراق نے بھی اس فن میں حصہ لیا اور یہی طریقہ اپنایا انہیں سے معمر بن راشد الیمانی البصری (م/۱۵۰) ہیں۔

آپ بصرہ میں پیدا ہوئے علم حاصل کیا اور پھر یمن چلے گئے۔ واپس بصرہ آنے کا ارادہ تھا مگر اہل صنعاء اس بات سے بہت دلگیر تھے۔ چنانچہ کسی دانا نے مشورہ دیا:

''قیّدواہ زوّجواہ''

یہی پرشادی کر کے انہیں پابند کرلو۔ چنانچہ پھر آپ وہیں کے ہو رہے۔ یمن میں سب سے قبل سیرت طیبہ پر آپ ہی لکھنے والے ہیں۔

۲۔ زیاد البکائی (م/۱۸۳)

آپ کوفی ہیں اور سیرت ابن اسحٰق کے کے رواۃ سے ہیں۔ انہیں سے عبدالملک بن ہشام نے بیان کیا ہے۔ امام بخاری و مسلم نے ان سے روایات صحیحین میں ذکر کی ہیں۔ وفیات الاعیان لابن خلکان ۲/۸۶)

سیرۃ ابن اسحاق

سیرت پر یہی پہلی جامع و مکمل تصنیف ہے جسے لوگوں میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ ابن اسحٰق بغداد میں ابوجعفر منصور کے پاس گئے وہیں منصور کے بیٹے مہدی بھی موجود تھے۔ منصور نے کہا ابن اسحاق جانتے ہو یہ کون ہے۔ کہا یہ امیر المومنین کے فرزند ارجمند ہیں۔ منصور نے کہا ابن اسحٰق اس کیلئے ایسی کتاب لکھو جس میں تخلیق آدم سے آج کے دن تک حالات مذکور ہوں۔ ابن اسحٰق اس میں مشغول ہو گئے۔ اور ایک ضخیم کتاب تالیف فرمادی۔

منصور نے کہا یہ تو بہت طویل کتاب ہے اسے مختصر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ابن اسحٰق کی اس کاوش کو مہذب اور مختصر کرنے کا شرف ابو محمد عبدالملک بن ہشام البصری المصری کو عطا فرمایا۔ ابن ہشام نے اس کتاب کو مختصر کرنے کے ساتھ ساتھ ایسا رنگ بھرا کہ اصل مولف پردہ میں چلا گیا۔ اور لوگ اسے سیرۃ ابن ہشام ہی کے نام سے جاننے لگے پھر یہی کتاب علماء کے ہاں متداول رہی۔ کسی نے اس کی شرح کسی نے اختصار کسی نے تعلیق لکھی۔ امام السھیلی م/۵۸۱، نے الروض الانف کے نام سے اس پر تعلیق اور ابوذر بن محمد بن مسعود الخشنی م/۶۰۴، نے غریب الفاظ کی شرح لکھی اور یوں اس کتاب کے ساتھ ایک نمایاں اور تکمیلی کام ہوتا رہا۔

شیخ ابراہیم بن محمد المرحل الشافعی م/۶۱۱ ھ، نے اس کا اختصار الذخیرۃ فی مختصر السیرہ کے نام سے لکھا۔

ابوبکر محمد بن ابراہیم النابلسی م/۷۹۳، نے الفتح القریب کے نام سے اس کو شعر کی زبان میں پیش کر دیا۔

زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی خدمت جاری رہی۔ اب اس کو مہذب کر کے استاذ عبدالسلام ہارون نے دو جلدوں میں تہذیب سیرۃ ابن ہشام کے نام سے پیش کیا ہے۔ اسانید حذف کر دی ہیں اور اور تحفظ نص کا خیال کرتے ہوئے انتہائی مختصر انداز میں پیش کیا ہے۔ جس جگہ ضرورت تھی توضیح بھی کی ہے پھر استاذ مصطفیٰ السقا نے اس مہذب کی تحقیق وضبط کر کے متعدد فہارس تیار کی ہیں۔ بعد ازاں استاذ محمد خلیل الھر اس نے اس پر عمدہ تعلیقات لکھیں اس طرح یہ کتاب علمی کاوش کا بہترین نمونہ بن گئی اور اسے مکتبۃ الجمہور قاہرہ مصر سے دیدہ زیب انداز میں پیش کیا ہے۔ بایں ہمہ کتاب کسی محدث محق کی منتظر ہے جو اسے اصول حدیث کے تحت تخریج و تحقیق کی سیڑھی چڑھائے۔

سیرۃ ابن اسحٰق کے اصل نسخے کے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی خیال تھا کہ ناپید ہو چکا ہے۔ لیکن مسلسل تتبع کے بعد مکتبہ الملکیہ رباط سے اس کا نسخہ مل گیا ہے۔ ڈاکٹر سہیل زکار استاذ الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ نے اس کے تقریباً ۱۵۰ صفحات کی تصویر حاصل کی ہے۔ جو ابن اسحٰق سے ان کے شاگرد یونس بن بکیر کی روایت سے ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ عظیم ذخیرہ دنیا پھر دیکھ سکے گی۔

بالاختصار کہا جاسکتا ہے کہ کتب سیرت ان مراحل سے گزری ہیں۔

۱۔ صرف اخبار واقعات جمع کرنا تاکہ ضائع نہ ہو جائیں اور لوگ استفادہ کرسکیں۔

۲۔ ترتیب وتبویب جیسا یہ ابن اسحاق نے کیا۔

۳۔ اس مرحلہ میں تبویب و ترتیب شدہ کتب کی تہذیب، اختصار اور تنقیح ہوئی۔ جیسا کہ ابن ہشام نے کیا۔

۴۔ اس دور میں شرح غریب کی تفسیر، تصحیح وتعلیق کا کام ہوا جیسا کہ سہیلی اور زرکشی نے کیا۔

۵۔ سیرۃ کو بصورت شعر پیش کیا گیا اور بعض علماء نے الفیہ کے نام سے شعر میں سیرت کا تذکرہ کیا ہے۔ خلاصۃ الاخبار فی سیرۃ المختار علی بن فرید گنجوری کی کتاب اس قسم پر مبنی ہے۔

۶۔ اب کتب سیرہ کو سامنے رکھ کر ایک جامع، مہذب، مرتب، تالیف جیسا کہ حافظ عبدالبر نے کیا۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر پیش کی گئی جسے انہوں نے ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ کی تصانیف سے ترتیب دیا۔

مختصر سیرۃ الرسول ﷺ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے فرزند کی کتاب بھی اس قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

۷۔ سیرت نگاری کا ایک اور اسلوب سامنے آیا ہے۔ قصہ کی شکل میں مثلاً ڈاکٹر طہٰ حسین مصری نے علی ہامش السیرۃ لکھی ہے۔

اس میں مصنف نے علماء کرام کا مروجہ اسلوب اختیار نہیں کیا اور نہ ہی اسے علمی، تحقیقی رنگ دینے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ بلکہ عام ادبی ناول کی شکل میں لغت عرب کا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ جس میں ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سادہ لوح عامۃ الناس کی خوشنودی کیسے اکثر امور انجام دیتے۔ مربوط ومحکم ونتیجہ خیز اور ذمہ دارانہ زندگی کے بجائے عامی زندگی اور ماحول پیش کیا۔

اسے ادب عربی کا لفظی ذخیرہ تو ممکن ہے کہا جائے مگر ایک پیغمبر فداہ ابی وامی ومن فی الارض جمیعا کی ذات گرامی کے متعلق جو عدم اعتماد سادہ لوحی کا اظہار اور خبث باطن کا جگہ جگہ ظہور ہے کتب سیرہ میں شمار کے لائق نہیں رہنے دیتا۔

عام مسلمان جو یہود ونصاریٰ اور الحاد حاضرہ کی مخلوط جنس مستشرقین اور ان کے وفادار شاگردوں کی فطرتی عداوت اور نیش زنی سے واقف نہیں اس جیسی کتب سے اجتناب بہتر ہے۔

۸۔ دور حاضر میں سیرنگاری ایک طریقہ فقہ السیرۃ کے نام سے متعارف ہو رہا ہے۔ جسمیں سیرت سے عملی زندگی مزین کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور سیرت کے اسرار ورموز سے پردہ کشائی کی کوشش کی جاتی ہے۔

فقہ السیرہ کے طرز تالیف کے متعدد اسباب ہیں جن کی بناء پر علماء نے یہ طریقہ اپنایا ہے۔

۱۔ اس وقت اسلام اور باطل کی فکری جنگ جاری ہے۔ جملہ اہل باطل ادیان ومذاہب کی حتی المقدور کوشش ہے کہ نور ہدایت کو مدہم کر دیا جائے واقعات ونصوص کو توڑ مروڑ کر خود ساختہ نتائج اخذ کر کے علم کے نام پر گمراہی کا فریضہ انجام دیا جا رہا ہے۔ جس کی ذمہ داری مستشرقین نے قبول کر رکھی ہے۔

مسلم مفکرین حکمت دین عموماً اور اسرار سیرۃ خصوصاً بیان فرماتے ہیں اور ان رازوں کو نہاں کیا جاتا ہے جن کی بنا پر رحمت عالم باطل قوتوں پر غالب آئے تاکہ ان کی روشنی میں اب بھی رستہ تلاش کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ب۔ دعوت اسلامی جن مشکل حالات سے ان ایام میں گزر رہی ہے اس کے ردعمل نے اہل اسلام میں رجوع الی الدین کی تحریک کو جنم دیا ہے۔ چانچہ سیرۃ نبوی کے حقائق و رموز سے واقفیت ہی مسلم امۃ کو علی وجہ البصیرۃ دین کی طرف رجوع پر ابھار سکتی ہے۔

فقہ سیرۃ پر شیخ محمد الغزالی دکتور مصطفیٰ السباعی نے لکھا ہے اور عمدہ لکھا ہے۔ فلسفہ سیرت کے ساتھ ساتھ اہل شبہ کے شبہات کا ازالہ بھی فرماتے ہیں سلف میں اس جانب امام ابن القیم نے زاد المعاد فی ھدی خیر العباد میں گراں قدر معلومات فراہم کی ہیں۔

تاریخ اور سیرۃ

تاریخ اسلامی کیلئے سیرۃ ہی اصل ہے کیونکہ مسلمانوں نے تاریخی طور پر سیرۃ نبوی کو ابتداء جمع و ترتیب میں مقدم رکھا ہے تا کہ آپ کے اقوال و افعال کو اپنی زندگی میں عملا اپنا سکیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کی سیرۃ مطہرہ ہی کو مسلمانوں کیلئے لائحہ عمل قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام عرصہ دراز تک سنت اور سیرۃ کے منہج نقد و جرح پر ہی جمع ہوتی رہی ہے یعنی سند پر اعتماد رہا ہے۔

ابو جعفر الطبری وغیرہ نے یہی طریقہ اپنایا ہے۔ اختصار کے پیش نظر اب اسانید حذف ہو چکی ہیں اور صحیح و سقیم کے حکم لگائے بغیر اسانید کا حذف اصل سے انحراف اور مصنف کی قدر علمی کو مشکوک بناتا ہے۔ جبکہ فاضل مصنف نے اسانید ذکر کر کے اپنی ذمہ داری کما حقہ ادا فرمادی تھی۔

با سند طریقہ حکایت ہی قاری کو محتویات پر یقین فراہم کرسکتا ہے بشرطیکہ رجال سند کو تحقیق کے میزان پر پیش کر لیا جائے۔ اور صحیح و سقیم جدا جدا کر دیا جائے۔

کچھ مورخین نے اسناد کے بغیر بھی اخبار جمع کی ہیں جمیں سے یعقوبی اور مروج الذہب اور معادن الجوہر کے مصف مسعودی کے نام سامنے آتے ہیں۔ ان مصنفین نے مقدمہ میں رواۃ و مصادر ذکر کرنے پر اکتفار کیا ہے۔

اکثر مورخین نے تاریخ کیلئے سیرۃ نگاروں پر ہی اعتماد کیا ہے مثلا طبری اور بلاذری نے معمر بن راشد، ابن اسحاق اور واقدی سے کافی کچھ لیا ہے۔ اور بعد ازاں تو تاریخ کا اکثر دار و مدار ہی واقدی اور ابن اسحاق پر رہا ہے۔ اے دعاؤں کو قبول فرمانے والے ہمیں سیرۃ طیبہ کو اسوۃ بنانے کی توفیق سے نواز دے۔

مجلہ ترجمان الحدیث کی بہترین اشاعت کیلئے آپ اپنی تجاویز و آراء اس ای میل ایڈریس پر بھی بھیج سکتے ہیں
tarjuman@hotmail.com

بقیہ: اسلام میں پہلی خانہ جنگی

ایک معرکہ خیز لڑائی کے بعد اسے فتح کر لیا گیا حضرت علیؓ کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو آپ مدینہ سے نکل کر بصرہ روانہ ہوئے اور اس وقت ان کے ہمراہ سات صد آدمی تھے کوفہ سے ساتھ ہزار اور ان کے ساتھ ہو گئے بصرہ پہنچتے پہنچتے ان کی تعداد بیس ہزار ہوگئی سب سے آگے انصار کا ایک ہزار سواروں کا دستہ تھا جس کی کمان حضرت ابو ایوب انصاری کر رہے تھے وہ گھوڑے پہ سوار تھے۔ ٹوپی اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جھنڈا ہاتھ اور تلوار کمر میں حمائل تھی۔ اس کے علاوہ ایک ہزار سواروں کا دوسرا دستہ تھا۔ جس کی قیادت خذیمہ بن ثابتؓ انصاری کر رہے تھے۔ وہ زرد عمامہ اور سفید رنگ کی ٹوپی میں ملبوس تھے۔ پھر تیسرا دستہ بھی ایک ہزار سواروں پہ مشتمل تھا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ ان کی کمان کر رہے تھے۔ یہ تعداد و مہاجر و انصار صحابہ اور ان کے بیٹوں پر مشتمل تھا اس کے بعد عبداللہ بن عباسؓ کا دستہ تھا۔ وہ ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار اور سیاہ رنگ میں ایک جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے دستے کی کمان کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد دستے تھے اور آخر مین حضرت علیؓ کا دستہ ایک جم غفیر لئے ہوئے ہتھیار سجائے اور مختلف قبائل کے پرچم اٹھائے ہوئے تھا آخری دستے کی کمان کو سنبھالے تھے۔

جاری ہے

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com